ہندی پسِ منظر کی حامل داستانیں: تحقیقی مطالعہ

ڈاکٹر فہمیدہ تبسم، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، وفاقی اردو یونیورسٹی، اسلام آباد

ABSTRACT

Urdu dastan is one of the most important genres of urdu fiction. These dastans not only provided Urdu prose new possibilities to expand, but also to be a source of delivery besides keeping the diversity of history and civilization. Most of Urdu dastans have Hindi background. The samples of ancient Hindi society and civilization can easily be found in these Urdu dastans translated from Sanskrit. The study of these dastans is auspicious with the authenticity and cultural scenario of ancient Hindustani civilization. In this article effort has been made to explore and analyze such Urdu dastans which have Hindustani background.

ادبیاتِ مشرق کا بہت خطیر نثری سرمایہ اردو داستان پر مشتمل ہے جو سنسکرت، عربی اور فارسی سے ترجمہ ہوئیں۔ ان داستانوں نے نہ صرف اردو نثر کو وسعت کے نئے امکانات عطا کیے بلکہ تاریخ و تہذیب کے تنوع کو محفوظ رکھنے کے علاوہ اس کی ترسیل کا وسیلہ بھی بنیں۔ عربی، فارسی اور سنسکرت سے ترجمہ ہونے والی داستانیں اپنے موضوعات، پلاٹ اور کردار نگاری میں مماثلت رکھنے کے باوجود تہذیبی مظاہر کے بیان میں اس سرزمین کی اقدار و روایات کی ترجمانی کا منفرد اظہار کرتی ہیں جس سے ان کا مواد ماخوذ ہے۔ قدیم ہندی سماج اور تہذیب کے نمونے ہمیں سنسکرت الاصل قصوں میں وافر ملتے ہیں اسی طرح عربی اور فارسی الاصل داستانیں بھی اپنے مخصوص تہذیبی ماحول کی عکاس و ترجمان ہیں۔ سنسکرت سے اردو میں ترجمہ ہونے والی معروف داستانوں میں مادھونل کام کندلا، بیتال پچیسی، سنگھاسن بتیسی، قصہ نل و دمن اور شکنتلا زیادہ معروف ہیں۔

مادھونل اور کام کندلا کا شمار ایسی داستانوں میں ہوتا ہے جو سنسکرت زبان سے ترجمہ ہوئیں اور جن میں قدیم ہندی معاشرت کی گہری چھاپ دکھائی دیتی ہے۔ یہ داستان بھی فورٹ ولیم کالج کے تراجم میں ایک نمایاں مقام رکھتی ہے۔ اگرچہ تواریخ ادب میں اس کو مظہر علی خان ولا کے ایک نثری کارنامے کی حیثیت سے جگہ تو دی گئی لیکن یہ کتاب پہلی مرتبہ مکمل صورت میں ڈاکٹر عبادت بریلوی نے شائع کی جن کو اس کا قلمی نسخہ برٹش میوزیم کے کتب خانے میں ملا اور انہوں نے اس خوبصورت کہانی کو اشاعت کے مرحلے سے گزار کر شائقین ادب کے سامنے پیش کیا۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی اس کتاب کے مقدمے میں اس تالیف کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

"مادھول نل اور کام کندلا، موتی رام کبیشر کی برج بھاشا میں لکھی ہوئی کتاب کا اردو ترجمہ ہے۔ ولا نے اس کو ۱۸۰۱ء میں مکمل کیا۔ اس میں مادھونل اور کام کندلا کے عشق کی داستان بیان کی گئی ہے"۔(۱)

مادھول نل اور کام کندلا کی داستان اپنی سادہ بیانی اور خوبصورت قصے کی بدولت ایک منفرد داستان ہے۔ کہانی میں فوق الفطرت عناصر کی بھرمار نہیں ہے۔ ایک آدھ واقعہ مثلاً قصے کے آخر میں امرت کے پینے سے مادھونل اور کام کندلا کے جی اٹھنے کے علاوہ کوئی فوقِ فطرت فضا نہیں ہے۔ داستان سے ہندوستانی ماحول کی تصویر کشی ہوتی ہے۔ راجوں، مہاراجوں کی دربار داری کی رسمیں اور ناچ رنگ کے علاوہ برہمن کے معاشرے میں مقام کی بھی وضاحت ہوتی ہے۔

کہانی سیدھے، صاف اور سادہ انداز میں آگے بڑھتی ہے۔ یہ ایک عشقیہ کہانی ہے جس میں اتار چڑھائو تو ہیں لیکن مہمات اور طلسمات کی یلغار نہیں ہے۔ شکنتلا اور مادھونل و کام کندلا جیسی داستانوں میں زندگی کی حرارت پائی جاتی ہے۔ جذبات اور احساسات کی فراوانی کا عالم خوبصورتی بکھیرتا ہے۔ اپنے مخصوص اسلوب اور بیان کی بدولت یہ داستانیں عہدِ جدید کی کہانیوں کے بہت قریب ہیں۔ ان کی فضا میں داستان کا خاص روپ تو ہے لیکن دلکش سادگی قاری کے دل کو موہ لیتی ہے۔

ایک بات جو داستان میں کھٹکتی ہے وہ برہمن کی زبان سے اللہ کا نام لیا جاتا اور حور و موت کے فرشتے کا ذکر ہے۔ ایک مقام پر مادھول نل کہتا ہے: "اللہ مجھے پردے تواڑ کر دیکھوں" (۲) یہی الفاظ کام کندلا کی زبان سے بھی ادا ہوتے ہیں: "یا اللہ! چھ مہینے کی رات کر دے" (۳)۔ حقیقت تو یہی ہے کہ صرف مسلمان اللہ کو یاد کرتے ہیں ہندوئوں کے ہاں بھگوان کا نام لیا جاتا ہے۔ یہ داستان مکمل طور پر ہندووانہ تہذیب و تمدن سے پروان چڑھتی ہے سو اس میں اگر ایسی صورت حال پائی جاتی ہے تو اس کا مطلب ہے کہ ترجمے کے وقت ولا نے عبارت میں حسبِ عادت بھگوان کا نام لکھنے کے بجائے اللہ لکھ دیا۔ ولا کی مدد للولال نے کی اس کی توثیق ڈاکٹر گیان چند نے کی ہے: "فورٹ ولیم کالج میں مظہر علی خان ولا اور للولال نے موتی کوی کی برج بھاشا سے ہندوستانی ترجمہ کیا" (۴)۔ لہٰذا دو اشخاص کی اس کوشش میں دو نظریات بھی یکجا ہو سکتے ہیں۔ مظہر علی خان ولا کے حالاتِ زندگی کے بارے میں زیادہ تفصیلات نہیں ملتیں ڈاکٹر عبادت بریلوی اس حوالے سے رقمطراز ہیں:

"جن لکھنے والوں نے ان کے حالات لکھے ہیں ان سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ دلی کے رہنے والے تھے انہوں نے اپنی زندگی کا زیادہ حصہ کلکتہ میں گزارا اور یہیں تصنیف و تالیف کا کام کیا"۔ (۵)

مظہر علی خان ولا کی دیگر تصانیف میں ترجمہ کریما، ہفت گلشن، بیتال پچیسی، تاریخ شیر شاہی اور اتالیقِ ہندی شامل ہیں۔ مظہر علی خان ولا شاعر بھی تھے اور ولا ان کا تخلص تھا۔ مظہر علی خان ولا کا سب سے معروف کارنامہ ان کی تین کتابیں ہیں ہفت گلشن، بیتال پچیسی اور مادھونل و کام کندلا۔ بحثیت مجموعی مظہر علی خان ولا کی تصنیف ایک رومانی داستان کی حیثیت ہی سے نہیں اپنے شگفتہ اسلوب کی حامل تصنیف کی حیثیت سے بھی معروف ہے۔

شکنتلا ایک خوبصورت کہانی کا نام ہے جو ہندوستانی روایت اور خالص دیسی ماحول سے کشید کی ہوئی مئے سخن سے مرتب کی گئی۔ کہانی میں نہ تو فوق الفطرت عناصر کی بھرمار ہے نہ طلسمی چالیں اور شعبدہ بازیاں پائی جاتی ہیں۔ نہ ہی کہانی میں زائد از ضرورت رنگ آمیزی کا عنصر موجود ہے لیکن اس کہانی میں شکنتلا کے مرکزی کردار نے وہ حسن بھر دیا ہے کہ پوری داستان حسن و محبت کا مرقع مثالی بن گئی ہے۔ شکنتلا ایک خوبصورت داستان ہے۔ اس داستان کے تار و پود اسی دھرتی سے وابستہ ہیں اس لیے اس میں ایک خاص نکہت اور سجاوٹ نظر آتی ہے۔ اس کی فضا اجنبی نہیں ہے۔ اس کہانی کی ہیروئن پری زادی ہونے کے باوجود ایک عام سی لڑکی ہے جس کی معصومیت اور حسن راجا کو دیوانہ بنا دیتا ہے اور مختلف آزمائشوں سے گزرنے کے بعد شکنتلا اپنے مقام یعنی راج محل میں پہنچ جاتی ہے۔

شکنتلا سنسکرت الاصل قصہ ہے اسی بنا پر اس کی مجموعی فضا میں بدیسی رنگ شامل نہیں ہے۔ بلکہ قدیم ہندوستانی قصوں کی سی اٹھان اور رنگ و روپ ہے۔ اس داستان کا تعلق ابتدائی طور پر مہابھارت سے ثابت ہے۔ ڈاکٹر اسلم قریشی لکھتے ہیں: "شکنتلا کی کہانی پہلے پہل برِ صغیر پاکستان و ہند کی قدیم و عظیم الشان داستان مہا بھارت میں بیان کی گئی تھی"(۶)۔ مہا بھارت میں بیان شدہ اس کہانی کو بعد ازاں ڈرامائی صورت دی گئی۔ اس بارے میں ڈاکٹر اسلم قریشی کا بیان ہے:"مہا کوئی کالی داس نے اس سیدھی سادی کہانی میں قدرے تبدیلی پیدا کر کے اپنے ڈرامے شکنتلا کا موضوع بنایا ہے"(۷)۔ شکنتلا اس قدر مشہور قصہ ہے کہ بعد میں اسے منظوم صورت میں برج بھاشا میں منتقل کیا گیا۔ اس حوالے سے کاظم علی جواں کا کہنا ہے:"یہ قصہ فرخ سیر بادشاہ کی سلطنت میں سنسکرت سے برج بھاکا میں ترجمہ ہوا تھا"(۸) کالی داس کے سنسکرت ڈرامے کو بقول ڈاکٹر گیان چند:"ناواز کوی نے برج بھاشا میں نظم کیا"(۹)۔ ڈاکٹر جان گل کرسٹ نے چوں کہ دیگر کئی فارسی اور سنسکرت داستانوں کو اردو کے قالب میں منتقل کروایا لہذا ان کی نظر شکنتلا پر بھی پڑی جسے انہوں نے کاظم علی جوان اور کالی داس کے ذریعے اردو میں ترجمہ کروایا۔ مہابھارت اور کالی داس کی کہانیوں میں فرق موجود ہے۔ کاظم علی جوان اور کالی داس کی شکنتلا میں بھی اختلافات پائے جاتے ہیں۔ کاظم علی جوان نے کالی داس کی شکنتلا کے بجائے نواز کبیشر کے منظوم قصے سے اپنی شکنتلا داستان کے تانے بانے بنے ہیں۔ تاہم انہوں نے گل کرسٹ کے اس تقاضے کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:"شکنتلا ناٹک کا ترجمہ اپنی زبان کے موافق کرو"(۱۰) لیکن جوان نے کالی داس کی شکنتلا ناٹک کے بجائے نواز کے منظوم ترجمے کو اردو نثر میں منتقل کیا۔ اس کا اعتراف یوں کیا ہے:"اس کبیشر نے یہ کہانی کبت دوھرے میں کہی جس کا ترجمہ یہ ھے، اور جو انگریزی میں ھے وہ سنسکرت سے ھوا ھے۔"(۱۱) جوان نے اس ترجمے میں اپنے تخلیقی جوہر سے کام لیتے ہوئے ایسی ندرت اور دل کشی پیدا کی ہے کہ کہانی ترجمہ کی بجائے تخلیق معلوم ہوتی ہے۔ اپنے سیدھے سادے انداز میں بیان ہونے کے اعتبار سے یہ مختصر سی داستان ایک کہانی محسوس ہوتی ہے۔ لیکن اس میں داستان کے ضروری عناصر موجود ہیں۔ راجا، جنگل، سادھو، منیکا، پری کا کردار، انگوٹھی، سادھو کی بد دعا سے راجا کی یاداشت کا کھو جانا داستان کی خاص خوبیاں ہیں جو شکنتلا میں موجود ہیں۔ شکنتلا ایک مختصر داستان ہے جو کہانی سے زیادہ ضخیم اور حکایت سے اعلیٰ درجے پر فائز ہے۔ خود جوان نے اسے داستان کہا ہے:"اس داستان کے لکھنے والے نے یوں لکھا ہے کہ۔۔۔"(۱۲)

شکنتلا داستان کاظم علی جوان کی سب سے اہم تالیف ہے ان کی دیگر تالیفات و تصنیفات میں سنگھاسن بتیسی، بارہ ماسہ، ترجمہ قران مجید، تاریخ فرشتہ، (بمعنی حصہ) کلام سورا، انتخاب میرا اور خرد افروز شامل ہیں۔ کاظم علی جوان کی اس معروف تالیف کی اشاعت کے بارے میں ڈاکٹر عبادت بریلوی لکھتے ہیں:

"سب سے پہلے ۱۸۰۱ء میں اس کے کچھ حصے دیوناگری رسم الخط میں ڈاکٹر گل کرسٹ کے ہندی مینول میں شائع ہوئے۔ اس کے بعد کہانی ۱۸۰۴ء میں رومن کلکتہ سے شائع ہوئی۔ پھر ۱۸۳۶ء میں ڈاکٹر گل کرسٹ نے اس کو اپنے مخصوص مجوزہ رسم الخط میں لندن سے شائع کیا۔"(۱۳)

کاظم علی جوان نے خود اس داستان کے بارے میں لکھا کہ:"بہت سا پڑھنے لکھنے میں آیا اور کچھ چھپ کر اتفاقات سے رہ گیا۔"(۱۴) پھر جب کاظم علی جوان قران مجید کے ہندی ترجمے کا محاورہ درست کر رہے تھے۔ گل کرسٹ صاحب نے اس کتاب یعنی شکنتلا کی از سرِ نو اشاعت کی خواہش کا اظہار کیا اور سابقہ مواد پر نظر ثانی کے لیے کہا چناں چہ جوان نے کچھ اضافے کے ساتھ شکنتلا کو دوبارہ تالیف کیا اور بقول اس کے:"۱۸۰۱ مطابق ۱۲۱۵ ھجری کے، جناب جان گل کرسٹ صاحب بہادر دام ظلہ کے حسب الحکم کاظم علی جوان نے اسے زبانِ ریختہ میں بیان کیا۔"(۱۵)

شکنتلا کے مئولف کاظم علی جوان فورٹ ولیم کالج کے اہم مصنفین میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے مفصل خاندانی حالات پردہ اخفا میں ہیں صرف یہ معلوم ہوا ہے کہ وہ دلی کے رہنے والے تھے وہیں پروان چڑھے، دلی کے اجڑنے پر لکھنؤ روانہ ہوئے۔ شاعری سے شغف تھا اور شعر کہتے تھے۔ بہت کم تذکروں میں ان

کے بارے میں کوئی تحریر ملتی ہے لیکن ان کی شاعری کی شہرت نے ہی انہیں کرنل اسکاٹ سے متعارف کرایا اور پھر ان کی خدمات فورٹ ولیم کالج کے لیے مستعار لی گئیں۔

شکنتلا ان کی پہلی اہم وجہ شہرت ہے۔ اسی داستان سے انہوں نے کلکتہ سے اپنے ادبی سفر کا آغاز کیا اور فورٹ ولیم کالج کے وجود کا اہم حصہ بن کر متعارف ہوئے اور طویل عرصہ کلکتہ میں مقیم رہے۔ شکنتلا کی تالیف میں للولال کوی نے بھی ان کی معاونت کی۔

شکنتلا اپنے اسلوب کے اعتبار سے آسان و سادہ زبان کی حامل ہے۔ جو ان نے اس میں رنگینی و لطف بیان کے مظاہرے بھی کیے ہیں۔ انہیں تصویر کشی میں مہارت حاصل ہے۔ شکنتلا کی تصویر گری اس کی خوبصورت مثال ہے۔

بیتال پچیسی ہندی خمیر سے تیار شدہ ایسی داستان ہے جس کی فضا میں مقامی تہذیبی رنگ اور روایات کا عطر کھلا ہوا ہے۔ یہ داستان اپنے اندر پچیس کہانیاں سمیٹے ہوئے ہے۔ ان کہانیوں کا ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں، یہ کہانیاں الگ الگ حیثیت و وجود کی حامل ہیں لیکن وہ عنصر جو کہانیوں کے اس مجموعے کو داستان کی ہیئت عطا کرتا ہے وہ ان کہانیوں کا ایک منبع و مرکز سے متعلق ہونا ہے۔ جس کی وجہ سے یہ کہانیاں الگ الگ ہونے کے باوجود ایک مشترک رشتے کے دھاگے سے بندھی ہوئی ہیں، کہانیوں کا آغاز جس فرد اور مقام سے ہوتا ہے انجام بھی اسی کے ساتھ وابستہ ہے۔ یوں یہ کہانیاں وحدت و اشتراک کے ایک نازک مگر بامعنی رشتے سے منسلک ہو کر داستان کو وجود تخلیق کرتی ہیں اس بات کی تصدیق ڈاکٹر گوہر نوشاہی کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے؛

"بیتال پچیسی کی تمام کہانیاں ایک بنیادی وحدت سے ہمکنار ہیں۔ جو بادشاہ اور لاش (یعنی بیتال) کے حوالے سے ابھرتی ہے اور یہی وحدت کتاب کی مرکزی کہانی کو ہمارے سامنے پیش کرتی ہے۔"(۱۶)

بیتال پچیسی کا عنوان اس بات کا اظہار یہ ہے کہ یہ بیتال یعنی ایک مردے کی بیان کردہ پچیس کہانیاں ہیں جن میں زندگی کے مختلف روپ اور کرداروں کا بیان ہے۔ بیتال پچیسی کہانیوں کی اسی نوع سے تعلق رکھتی ہے جن کے ابتدائی سن تصنیف کے بارے میں حتمی پیش گوئی ممکن نہیں۔ اس کے نسخے مختلف زبانوں میں موجود ہیں جو اس کی شہرت اور قبولِ عام کی شہادت ہے۔ فورٹ ولیم کالج کی وساطت سے شائع ہونے والی بیتال پچیسی کے ماخذ کے بارے میں ڈاکٹر گیان چند لکھتے ہیں:

"سنسکرت سے برج بھاشا میں پہلا ترجمہ جے پور کے مشہور راجا جے سنگھ سوائی کے درباری شاعر سوائی مہر نے اٹھارویں صدی کے شروع میں کیا، اس کے بعد فورٹ ولیم کالج میں مظہر علی ولا اور للولال نے اسے نسخے سے اردو ہندی ترجمہ کیا۔" (۱۷)

بیتال پچیسی کے اردو میں منتقل کیے جانے کے بارے میں بھی سنین کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ ڈاکٹر گوہر نوشاہی رقمطراز ہیں: "بیتال پچیسی کو مظہر علی خان ولا نے ۱۸۰۳ء میں اردو میں منتقل کیا۔"(۱۸) جبکہ ڈاکٹر گیان چند کے مطابق: "اس کی صحیح تاریخ ۱۸۰۱ء ہے۔"(۱۹) پروفیسر وقار عظیم کے خیال کے مطابق :"فورٹ ولیم کالج کے مصنفوں نے ۱۸۰۴ء میں اسے اردو میں منتقل کیا۔"(۲۰) داستان تاریخ اردو کے مئولف حامد حسن قادری لکھتے ہیں: "ولا نے ۱۸۰۳ء میں اردو ترجمہ مرتب کیا۔"(۲۱)

سنین کے اختلافات سے قطع نظر بیتال پچیسی ڈاکٹر جان گل کرسٹ کی ایما پر شائع ہونے والی ایک یادگار کتاب ہے جس کی ہر کہانی میں ایک سوال ہے جس کا درست جواب دینے کی صورت میں بیتال واپس درخت میں جالٹکتا ہے۔ صرف آخری یعنی پچیسویں سوال کا جواب راجا کو معلوم نہیں ہوتا جس کی وجہ سے بیتال راجا کو حقیقت آشنا کر کے سادھو کے پاس لوٹنے کا اشارہ دیتا ہے۔

داستان میں شامل کرداروں اور پند و نصائح کی دوہری تعبیروں کے حوالے سے ہائزخ سمر نے "شر پر روح کی فتح" کے عنوان کے تحت ایک مضمون بیتال پچیسی کی نئی تشریحات سے بحث کی ہے جسے محمد سلیم الرحمان نے اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ بیتال پچیسی کی نئی شرح کے حوالے سے ہائزخ سمر لکھتا ہے:

"تقدیر کا توشہ خانہ انواع و اقسام کی پوشاکوں سے بھرا پڑا ہے جنہیں پہن کر وہ ہم سے دوچار ہوا کرتی ہے اور راجہ سے مڈبھیڑ کے لیے بس اسی پوشاک کا منتخب ہونا تھا، راجہ نے اسی پوشاک کو مستخرج کیا تھا۔" (۲۲)

بیتال پچیسی کا پسِ منظر خالص ہندی روپ کا حامل ہے۔ اسے پڑھتے ہوئے کسی غیر ہندوستانی تاثیر کا احساس نہیں ہوتا۔ داستان کی یہی خوبی اسے شکنتلا، مذہبِ عشق، مادھونل کام کندلا، اور سنگھاسن بتیسی جیسی داستانوں کی فہرست میں جگہ دیتی ہے۔ اپنے موضوعات کے اعتبار سے بیتال پچیسی اخلاقیات پر مبنی حکایات اور داستانوں میں ایک نمایاں مقام کی حامل ہے۔

سنگھاسن بتیسی ایک ایسی داستان ہے جو ہندی ادب، روایت اور اسلوب کے رش میں بھیگی ہوئی ہے۔ اس کا پسِ منظر سراسر ہندوستانی ہے، حتیٰ کہ قصے کی زبان اردو کے روپ میں منتقل ہو کر بھی سنسکرت کے ذائقے سے آشنا ہے بلکہ اس اسلوب نگارش کی جڑیں خالصتاً سنسکرت سے ماخوذ ہیں۔ اس اسلوب کا بظاہر فورٹ ولیم کالج سے کوئی تعلق نظر نہیں آتا کیوں کہ باغ و بہار، شکنتلا، توتا کہانی اور دیگر کئی داستانوں میں جو زبان استعمال کی گئی ہے وہ سلیس اور رواں ہے۔ جبکہ سنگھاسن بتیسی میں فورٹ ولیم کالج کا مخصوص طرزِ تحریر نہیں پایا جاتا۔ بلکہ دقیق عبارت آج کے عہد کے قاری کے لیے نامانوس ہے۔ فورٹ ولیم کالج کے پلیٹ فارم پر جو داستانیں ترجمہ ہوئیں ان کا مقصد غیر ملکی حکمران طبقے کے لیے اردو زبان و ادب سے آشنائی تھا۔ سنگھاسن بتیسی اسی عہد میں ترجمہ ہوئی لیکن اس پر فورٹ ولیم کالج کی تحریکِ سلاست کا رنگ و روپ نہیں اترا۔ تاہم سنسکرت سے اردو میں ترجمہ ہونے والی یہ داستان اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس میں قدیم ہندوستانی عہد کی معاشرت اور راجاؤں کی عوام پروری کے قصے ملتے ہیں۔ نیز یہ داستان جو بتیس مختصر کہانیوں پر مشتمل ہے اپنے دور کی تصویر کو خوبصورتی سے پیش کرتی ہے، کتاب کا رنگ ڈھنگ ہندوستانی تہذیب کی روایات سے مستعار لیا گیا ہے۔

سنگھاسن بتیسی کی ابتدا کے بارے میں کوئی ٹھوس ثبوت موجود نہیں۔ قصے کا مصنف بھی فراموشی کے پردے کے پیچھے ہے، اس داستان کا تعلق قدیم دور سے ہے نسل در نسل روایت ہونے والی اس داستان کے بارے میں ڈاکٹر گیان چند لکھتے ہیں: "خلاصہ یہ ہے کہ سنگھاسن بتیسی کے مصنف کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔" (۲۳) سنگھاسن بتیسی میں بیان شدہ کہانیاں مثلاً دوسری کہانی جس میں راجا، جوگی اور بیتال کا ذکر ہے۔ بیتال پچیسی میں بھی موجود ہے، کام کندلا (رقاصہ) کی کہانی بھی اس داستان کا حصہ ہے۔ اس جیسی دیگر کہانیوں کے عکس مختلف داستانوں میں ملتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نسل در نسل بیان شدہ کہانیاں نقل در نقل کے باب میں اپنے اصل ماخذ سے دور ہو جاتی ہیں پھر ان پر کسی عہد، ملک یا مصنف کا دعویٰ ملکیت بیکار ٹھہرتا ہے، سنگھاسن بتیسی بھی ایسی ہی ایک داستان ہے۔

سنگھاسن بتیسی ایک سنگھاسن یعنی تخت کی کہانی ہے جو بتیس مزید کہانیوں میں تقسیم ہو کر آگے چلتی ہے۔ اس لیے سنگھاسن بتیسی کہلاتی ہے۔ بنیادی طور پر یہ کہانیوں کا مجموعہ ہے لیکن جو بات اس کو داستان کا درجہ دیتی ہے وہ اس کا آغاز و انجام ہے۔

کہانی راجا بھوج کی شان و شوکت اور اس کے عہد کی فارغ البالی و خوشحالی سے شروع ہوتی ہے۔ ایک سنگھاسن کی دریافت بتیس کہانیوں کے سلسلے کو شروع کرتی ہے اور اس سنگھاسن کی دوبارہ تدفین پہ داستان اختتام پذیر ہو جاتی ہے۔ یہی نکتہ اس کو داستان کا درجہ عطا کرتا ہے۔ داستان کی اشاعت کے بارے میں ڈاکٹر گیان چند لکھتے ہیں: "۱۸۹۵ء میں پوری کتاب ہندی رسم الخط میں شائع ہوئی۔ اردو رسم الخط کی طبع اول کی تاریخ واضح نہیں۔ لیکن انڈیا آفس میں ۱۸۷۰ء لکھنو کا ایڈیشن موجود ہے۔"(۲۴)

سنگھاسن بتیسی کے مترجمین و مئولفین میں کاظم علی جوان اور للو لال جی شامل ہیں، سنگھاسن بتیسی میں ہندی الفاظ کی کثرت ہے جس کی وجہ سے تفہیم میں قدرے دقت محسوس ہوتی ہے۔ بحثیت مجموعی اس داستان کا مزاج اردو کی نسبت ہندی سے قریب تر ہے اور ہونا بھی چاہیے کہ داستان کے تار و پود خالص ہندی تہذیب و اقدار سے وابستہ ہیں اور ان کی تفہیم و ادراک کے لیے زبان و بیان کے تاثرات بھی مقامی ہونا ضروری ہیں۔

اردو داستان عشقیہ وارداتوں سے بھری پڑی ہے۔ بعض وارداتوں نے قصے کہانی کے روپ میں آکر اشاعت کا لباس پہنا اور بعض اس لباس سے محروم ہو کر گمنامی کے پردے میں چھپ گئیں۔ قصہ نل و دمن کا شمار ایسی داستانوں میں ہوتا ہے جو ڈاکٹر عبادت بریلوی کی جوہر شناس نظروں میں آکر طباعت کے زیور سے آشنا ہوئی اور قارئین ادب تک پہنچی۔ قبل ازیں یہ داستان برٹش میوزیم میں تھی۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی کے مطابق:

"کسی زمانے میں یہ قلمی نسخہ شاہان اودھ کے کتب خانوں میں تھا۔ لیکن پھر یہ کرنل جارج ولیم ہملٹن کے پاس پہنچا۔ وہ اس کو اپنے ساتھ لندن لائے اور ان کی وفات کے بعد برٹش میوزیم نے اس قلمی نسخے کو ان کی بیوہ سے خرید لیا۔"(۲۵)

افسانہ عشق ایسی نثری کاوش ہے جو فورٹ ولیم کالج کے احاطے سے باہر آگرہ میں مقیم ایک فرد نے انفرادی طور پر سر انجام دی۔ اگرچہ اس عہد میں فورٹ ولیم کالج تراجم و تالیفات کے اعتبار سے اہم ترین ادارے کی حیثیت رکھتا ہے لیکن کسی طور پر صرف یہی ادارہ فروغِ ادب کے لیے کوشاں نہیں تھا بلکہ ہندوستان کے طول و عرض میں اردو زبان جڑیں پکڑ چکی تھی اور اس میں اظہار کی مختلف صورتیں جنم لے رہی تھیں اس سلسلے کو محض سرکاری سرپرستی کی ضرورت نہیں تھی چناں چہ آگرہ میں جب الہیٰ بخش شوق اکبر آبادی نے اس قصے کو فارسی نظم سے اردو نثر میں منتقل کیا تو اس کے پسِ پشت کوئی ادارہ نہیں تھا بلکہ یہ کوشش انہوں نے ایک انگریز افسر کیپٹن بریڈ شا کے اصرار پر کی۔ الہیٰ بخش شوق اکبر آبادی لکھتے ہیں:

"صاحب والا مناقب نے مجھ ہیچ مداں کی پرورش اور شغل خاطر کے واسطے ارشاد فرمایا کہ نل و دمن کے قصے کو، جو ملک الشعرا فیضی نے حضرت عرش آستانی اکبر بادشاہ کے عہد میں زبان سنسکرت سے بہ زبان فارسی نظم کیا ہے، اگر تو زبان اردو میں اس نثر کو لکھے تو ہر آئینہ نیک نامی اور فوائد سے خالی نہ ہو گا۔"(۲۶)

افسانہ عشق یعنی قصہ نل و دمن ایک عشقیہ کہانی ہے جس میں محبت، رقابت اور وفا ایک تثلیث کی صورت میں موجود ہیں۔ مرحلہ در مرحلہ آزمائشیں بھی ہیں اور کامیابی کی مسند سجی ہوئی ہے۔ نل و دمن کی اس کہانی کے ماخذ کے بارے میں پروفیسر آرزو چودھری لکھتے ہیں: "یہ مشہور قصہ مہابھارت ہی سے متعلق ہے۔"(۲۷) الہیٰ بخش شوق اکبر آبادی کے متذکرہ بیان سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ ابتدا میں یہ قصہ سنسکرت میں تھا پھر فارسی میں ترجمہ ہوا اور فارسی سے اسے الہیٰ شوق اکبر آبادی نے اردو کے روپ میں منتقل کیا۔

قصے کی تمام تر فضا ہندی تہذیب کی آئینہ دار ہے۔ راجہ نل کی دربار داری، سوئمبر کا منعقد ہونا اور دمن کا راجہ نل کی لاش کے ساتھ ستی ہو جانا وغیرہ ہندو روایات کے عکس ہیں۔

افسانہ عشق یعنی قصہ نل و دمن کا سالِ اشاعت وہی ہے جب فورٹ ولیم کالج میں ڈاکٹر جان گل کرسٹ کی نگرانی و سرپرستی میں حیدر بخش حیدری اور میر امن جیسے مصنفین و مئولفین فارسی اور سنسکرت زبانوں کے ادب کو اردو میں منتقل کر رہے تھے۔ شوق اکبر آبادی نے کتاب کے آخر میں تاریخ لکھی ہے:

"ہجرت سے شمار کر کے لکھ حال

بارہ سن اور سترہ سال

۱۲۱۷ھ

اور سال تمام عیسوی کو

لکھ ایک ہزار آٹھ سو دو" (۲۸)

۱۸۰۲

۱۸۰۲ء میں لکھی جانے والی اس داستان کے مئولف الہیٰ بخش شوق اکبر آبادی کا تعلق اکبر آباد سے تھا۔ مرزا مظفر بخت کے ہاں ملازمت کی غرض سے فرخ آباد میں قیام پذیر رہے۔ اردو فارسی میں شاعری کا شغف رکھتے تھے ان کی ایک اور تصنیف بھی موجود ہے جس کا نام قوانین السلطنت ہے۔

افسانہ عشق یعنی قصہ نل و دمن کی زبان شستہ اور صاف ہے۔ مصنف نے مہابھارت سے ماخوذ اس قصے کو عام فہم اردو میں بخوبی پیش کیا ہے۔ اس داستان میں پند و نصیحت پر مبنی باتیں بھی شامل ہیں جو قصے کے حسن میں اضافہ کرتی ہیں۔

ہندی پسِ منظر کی حامل یہ ترجمہ اردو داستانیں کلاسیکی ادب کے گراں بہا ذخیرہ میں نمایاں مقام و مرتبہ کی حامل ہیں۔ ان داستانوں کے مطالعے سے عہدِ قدیم کی معاشرت اور تہذیبی منظر نامے سے بخوبی آشنائی ہوئی ہے۔ یہ وہ منظر نامہ ہے جو مہابھارت، اپ نشد اور اپ بھرنش جیسی تصانیف میں بھی موجود ہے۔

حوالہ جات

۱۔ عبادت بریلوی، ڈاکٹر، مقدمہ، مادھونل اور کام کندلا، اردو دنیا، کراچی، ۱۹۴۰، ص ۱۶

۲۔ ولا مظہر علی خان، مادھونل اور کام کندلا، اردو دنیا، کراچی، ۱۹۴۰، ص ۶۱

۳۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ایضاً۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ص ۴۳

۴۔ گیان چند، ڈاکٹر، اردو کی نثری داستانیں، انجمن ترقی اردو، کراچی، ۱۹۴۹، ص ۳۰۱

۵۔عبادت بریلوی ڈاکٹر، مقدمہ مادھونل اور کام کندلا، اردو دنیا، کراچی، ۱۹۴۰، ص۸

۶۔ محمد اسلم قریشی، ڈاکٹر، مقدمہ، شکنتلا، از کاظم علی جوان، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۳، ص۳۱

۷۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ایضاً۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ص۳۲

۸۔جوان کاظم علی، ابتدائیہ، شکنتلا، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۳، ص۴

۹۔گیان چند، ڈاکٹر، اردو کی نثری داستانیں،۔۔۔۔ص۳۱۳

۱۰۔جوان، کاظم علی، ابتدائیہ، شکنتلا،۔۔۔۔۔۔۔ص۴

۱۱۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ایضاً۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ص۵

۱۲۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ایضاً۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ص۴

۱۳۔عبادت بریلوی، ڈاکٹر، مقدمہ، شکنتلا، از کاظم علی جوان، اردو دنیا، کراچی، ۱۹۶۴، ص۸

۱۴۔جوان، کاظم علی، ابتدائیہ، شکنتلا۔۔۔۔۔۔۔ص۴

۱۵۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ایضاً۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ص۴

۱۶۔گوہر نوشاہی، ڈاکٹر، مقدمہ بیتال پچیسی، از مظہر علی خان، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۵، ص۱۲

۱۷۔گیان چند، ڈاکٹر، اردو کی نثری داستانیں،۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ص۲۸۹

۱۸۔گوہر نوشاہی، ڈاکٹر، مقدمہ، بیتال پچیسی،۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ص۱۷

۱۹۔گیان چند، ڈاکٹر، اردو کی نثری داستانیں،۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ص۲۸۹

۲۰۔وقار عظیم، پروفیسر، ہماری داستانیں، الوقار پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۳، ص۲۸۰

۲۱۔حامد حسن قادری، داستان تاریخ اردو، اردو اکیڈمی، کراچی، ۱۹۸۸، ص۱۳۱

۲۲۔ہائزخ سمر، سر پر روح کی فتح، ترجمہ محمد سلیم الرحمٰن، مشمولہ داستان در داستان، قوسین، لاہور، ۱۹۸۷، ص۱۷

۲۳۔گیان چند، ڈاکٹر، اردو کی نثری داستانیں،۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ص۳۰۴

۲۴۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ایضاً۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ص۳۰۵

۲۵۔عبادت بریلوی، ڈاکٹر، مقدمہ افسانہ عشق (قصہ نل و دمن) یونیورسٹی اورئینٹل کالج، لاہور، ۱۹۷۹، ص ۳

۲۶۔شوق، الہیٰ اکبر آبادی، وجہ تصنیف، افسانہ عشق (قصہ نل و دمن)، یونیورسٹی اورئینٹل کالج، لاہور، ۱۹۷۹، ص ۲۰

۲۷۔آرزو چودھری، داستان کی داستان، عظیم اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۸، ص ۱۱۷

۲۸۔شوق، الہیٰ اکبر آبادی، وجہ تصنیف، افسانہ عشق (قصہ نل و دمن)، یونیورسٹی اورئینٹل کالج، لاہور، ۱۹۷۹، ص ۲۰